ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟

تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء

از

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں

"یہ وہ تقریر ہے جو میں نے جلسہ کے موقعہ پر اٹھائیس تاریخ کو کی اس سے پہلے اخبار بدر میں بھی شائع ہو چکی ہے اور مکرمی قاضی اکمل صاحب نے تیار کی۔ لیکن اب تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کے مطابق میں خود ان نوٹوں سے جو اس موقعہ پر سیکرٹری صاحب انجمن تشحیذ الاذہان نے لئے تھے اس کو تیار کرتا ہوں۔.........." خاکسار مرزا محمود احمد

یہ سوال طبعاً ہر ایک شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں اور اس اصل مقصد کو کیوں کر پا سکتے ہیں کہ جس کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں سو اس کے جواب کے لائق قرآن شریف سے زیادہ اور کوئی کتاب نہیں ہے اس لئے چند آیات قرآن شریف سے پڑھ کر آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(التوبہ: ۱۱۱، ۱۱۲)

ہر ایک شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ خدا نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے اور جبکہ مرنا ہر ایک انسان کے لئے ضروری ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا جب اس چند روزہ زندگی کے لئے انسان اس قدر کوششیں کرتا ہے اور تدبیریں کام میں لاتا ہے اور روزانہ ضرورتیں محسوس کرتا ہے تو کیا

اس لامحدود زندگی کے زمانہ کے لئے ضرورت نہیں اور کیا ہمیں اس کے لئے کچھ بھی تیاری نہیں کرنی چاہئے؟

ہمارے انبیاءؑ و اولیاء آخرت کے متعلق بہت کچھ حالات بیان کر چکے ہیں اور جو ضرورتیں وہاں پیش آئیں گی اور جو ان کے حصول کے ذرائع ہیں ان کی نسبت قرآن شریف بہت بسط اور تفصیل کے ساتھ ہمیں بہت کچھ بتا چکا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ کسی چیز کو بے فائدہ اور لغو پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اس کی شان کے برخلاف ہے اس نے جو انسان کو حواس خمسہ اور ہاتھ پاؤں دل و دماغ دیئے ہیں تو جب مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندگی ملے گی تو وہاں بھی کچھ ایسے سامان موجود ہونے چاہئیں جن میں یہ چیزیں مشغول رہیں چنانچہ خدا تعالیٰ نے جنت میں وہ سامان پیدا کئے ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کا انسان کو پیدا کرنا ایک عبث عمل ٹھہرتا چنانچہ جیسا کہ جنت میں اس نے سامان بنائے ہیں ویسا ہی اس نے ان کے حصول کے ذرائع بھی بتا دیئے ہیں اور اسلام اس راستہ کو بتاتا ہے جس پر چل کر انسان اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکے اور ان انعامات کو پا سکے جو اس کے لئے بعد از موت مقرر ہیں۔ چنانچہ یہ آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں ان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ مجھے اپنی ساٹھ یا ستر برس کی زندگی اور تھوڑا مال دے دو۔ تو میں اس کے بدلہ میں تمہیں ایک غیر محدود زندگی اور بے شمار اجر دوں گا جس کا دوسرا نام جنت ہے۔ سو خدا تعالیٰ ان آیتوں میں فرماتا ہے کہ ہم نے مؤمنوں سے ان کی جان اور مال خریدا ہے اور یہ اس لئے کہ ان کو اس کے بدلہ میں جنت دی جائے سو کیسا خوش قسمت ہے وہ انسان کہ جو ایسا بانفع اور مفید سودا کرے جس میں نفع ہی نفع ہے اور نقصان نام کو نہیں۔ انسان ایک ذرا سا سودا کرنے لگے تو بڑی احتیاط کرتا ہے اور ہمیشہ وہی خریدتا ہے جو مفید اور نفع رساں ہو۔ پس کیسا افسوس ہے اس پر جو ایسی تجارت نہ کرے کہ جس میں لاکھوں کا نہیں کروڑوں کا نہیں بلکہ غیر محدود نفع ہے۔ خدا تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ اس سودے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ پھر تجارت میں اس بات کا لحاظ بھی کر لیا جاتا ہے کہ بازار کا بھاؤ کیا ہے اور یہ تجارت ایسی تو نہیں جس سے پہلے سوداگر ضرر اٹھا چکے ہیں۔ سو اس دینی تجارت میں بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم بھاؤ دریافت کریں اور اپنے سے پہلے تاجروں پر غور کریں کہ انہوں نے اس تجارت سے کیا نفع یا نقصان اٹھایا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ آدمؑ سے لے کر ہمارے نبی کریم ﷺ تک بے شمار سوداگر ہو گذرے ہیں جنہوں نے ہمیشہ اس سوداگری سے فائدہ ہی اٹھایا بلکہ جو شخص ان کے مقابلہ میں کسی اور جنس کا سوداگر بنا وہ ان کے سامنے ہلاک کیا گیا اور وہی کامیاب رہے۔ ان

سوداگروں میں سے سب سے بڑے ہمارے آنحضرت ﷺ تھے۔ جب آپ نے اس تجارت کو شروع کیا تو آپ ایک یتیم بچہ تھے کوئی آپ کو جانتا تک نہ تھا مگر خدا نے آپ کو درِّ یتیم بنایا اور وہ مرتبہ دیا کہ اس وقت کروڑوں آدمی آپ کے نام پر جان دینے کو تیار ہیں آپ کو وہ چمک عنایت کی گئی کہ سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ آپ کو اس تجارت سے اس قدر فائدہ پہنچا کہ اب تک کہ تیرہ سو برس گذر چکے ہیں آپ کے نام کی عزت کے لئے لوگ کوششیں کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جو ہم لوگ اس جگہ اکٹھے ہوئے ہیں تو صرف اس لئے کہ اس برگزیدہ نبی کا نام دنیا سے مٹا جاتا ہے اسے پھر روشن کریں پس جبکہ آپ نے اس آیت کے موجب سودا کر کے اس قدر نفع اٹھایا تو ہمیں بھی چاہئے کہ جب کبھی کوئی سودا کریں تو دیکھ لیں کہ آیا ہم سے پہلے آنحضرت ﷺ نے یہ سودا کیا تھا کہ نہیں تا کہ ہم بھی آپ کے قدم بقدم چل کر اسی طرح فائدہ اٹھائیں۔ پس اگر ہم آپ کی خریدی ہوئی جنس کو خریدیں گے تو ضرور نفع اٹھائیں گے اور اگر وہ جنس خریدیں گے جو ہم سے پہلے فرعون و ابو جہل نے خریدی تھی تو ضرور ہے کہ ہم اپنی آئندہ زندگی سے بے توجہی کریں کیونکہ بے توجہی ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتی ہے اگر ایمان کامل ہو تو کبھی خدا کی طرف سے غفلت نہ ہو۔ دیکھو ایک طالب علم کو یقین ہوتا ہے کہ میں ایک دن ضرور کامیاب ہوں گا اور ایک خاص امتحان پاس کر کے بہت عزت حاصل کروں گا اس کے لئے وہ راتوں کو جاگتا ہے اور اس کی غرض اس قدر ہوتی ہے کہ اس زندگی کے بقیہ ایام آرام سے گذر جائیں اور وہ یہاں تک محنت کرتا ہے کہ بعض اوقات اس کو سل اور دق ہو جاتی ہے۔ مزدور سارا دن محنت کرتا ہے۔ دھوپ میں ٹوکری اٹھاتا اور سردی میں سرد گارے میں گھستا ہے یہاں تک کہ اس کا بدن ٹھٹھر جاتا ہے اور یہ سب اس امید میں کہ شام کو گھر میں جا کر آرام پائے گا۔ پس اگر انسان کو ایمان ہو کہ اس دنیا کی تھوڑی سی زندگی میں اگر میں خدا کی بتائی ہوئی تجارت کروں گا تو ابد الآباد تک نفع اٹھاؤں گا تو وہ بے توجہی کیوں کرے۔ پس اصل بات یہی ہے کہ گناہ گار انسان کو روز آخرت پر ایمان ہی نہیں ہوتا اگر اس کو ایمان ہو تو وہ بے توجہی کبھی نہ کرے۔

پس انسان کو چاہئے کہ اپنے لئے وہ مال جمع کرے کہ جو اس کے کام آئے نہ وہ کہ اس کے بعد اس کے ورثاء برباد کریں۔ دنیا کا روپیہ اگر یہ جمع کرتا ہے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اسے بے طرح لٹا دیں گے اور ضائع کر دیں گے لیکن اگر یہ اس قرآن کی بتائی ہوئی تجارت کو کرتا ہے تو اس سے وہ نفع اٹھائے گا کہ اس کے بعد کوئی اسے برباد نہ کر سکے گا بلکہ مرنے کے بعد اسی کے

کام آئے گا۔ خدا تعالیٰ ایسے تاجروں کا خود خزانچی بن جاتا ہے پس جس کا خزانچی خدا ہو اس کو اور کسی کی کیا ضرورت ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا خزانچی امین ہو۔ پس جب خدا سا امین خزانچی ملے تو اور کیا چاہئے اور خدا کے پاس مال رکھوانے میں صرف یہی فائدہ نہیں کہ وہ امین ہے بلکہ علاوہ امانت کے وہ اس مال کو بڑھاتا ہے اور جب مال واپس کرتا ہے تو ہزاروں لاکھوں بلکہ غیر محدود گنا زیادہ کر کے دیتا ہے پس اس تجارت اور امانت میں فائدہ ہی فائدہ ہے کوئی نقصان نہیں مگر شرط یہ ہے کہ پہلے اپنی جان و مال کو خدا کے سپرد کر دے اور اپنے وجود کو بیچ میں سے الگ کرے ہاں جب وہ ایسا کر لے گا تو پھر اسے چند روزہ زندگی کے بدلہ غیر محدود زندگی ملے گی اور اس تھوڑے سے مال کے بدلہ بے شمار دولت ملے گی۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ایسے مؤمن جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال خدا کے ہاتھ جنت کے بدلہ میں بیچ دیئے ہیں وہ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں یعنی ان کا فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں پس اس جگہ خدا تعالیٰ ان کو اپنے راہ میں جہاد کرنے کی تعلیم دیتا ہے آگے جہاد خواہ تلوار کا ہو خواہ قلم کا خواہ زبان کا خواہ کسی اور قسم کا۔ پس جب انسان کچھ روپیہ کے بدلے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر فوج کی نوکری کرتا ہے تو وہ خدا کی فوج میں کیوں داخل نہیں ہوتا جہاں بے تعداد اجر ملتا ہے۔ ہر ایک انسان فطرتاً کہیں نوکری کرتے ہوئے دیکھ لیتا ہے کہ کہیں مجھ پر پیچھے کوئی آفت تو نہیں آئے گی۔ چنانچہ اکثر لوگ ان ریاستوں میں جہاں بد نظمی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ نوکری نہیں کرتے کہ کہیں لینے کے دینے نہ آئیں اور تنخواہ کے علاوہ جائیداد تک ضبط نہ ہو (جیسے اکثر ریاستوں میں ہوتا ہے) پس جس کو خدا جیسا وعدوں کا پورا اور مہربان مالک نوکر رکھے اسے اور کیا چاہئے ان دنیاوی گورنمنٹوں کے پاس انسان کچھ روپیہ کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور جنگوں میں سر کٹواتا ہے۔ ممکن ہے کہ جہنم کے دروازے ان کے لئے کھولے جاویں مگر جو خدائی گورنمنٹ کی راہ میں مارا جاتا ہے یعنی دین کی خدمت کرتا ہوا فوت ہو جاتا ہے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور جنت کی حوریں اس کی منتظر ہیں۔ پھر دنیاوی گورنمنٹوں کے ملازم سپاہی جب ہزاروں معرکہ مار کر پنشن لیتے ہیں تو ان کو نصف پنشن ملتی ہے۔ ☆ مگر خدا کا سپاہی جب پنشن لیتا ہے یعنی فوت ہوتا ہے تو اس قدر عظیم الشان پنشن دی جاتی ہے کہ اس کے

☆ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انسان دنیاوی کام چھوڑ دے بلکہ ایک ہی وقت میں انسان کسی گورنمنٹ کا نوکر اور خدا کا سپاہی بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اور راہ ہے اور یہ اور۔ انسانی گورنمنٹیں جسموں پر حکومت کرتی ہیں مگر خدائی گورنمنٹ کا ہیڈ کوارٹر دل ہوتا ہے۔

وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ پھر یہاں کی سلطنتوں کی حفاظت سپاہی کرتے ہیں مگر برخلاف اس کے الٰہی گورنمنٹ اپنے سپاہیوں کی خود حفاظت کرتی ہے اور یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۸) کی خوش آئند آواز انہیں سنائی جاتی ہے وہ زندہ رہیں یا فوت ہو جائیں دونوں حالتوں میں فائدہ میں رہتے ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ یعنی وہ لوگ جو اس طرح خدا کے ساتھ تجارت کریں اور اس کی فوجوں میں داخل ہو جائیں ان میں دلیری بھی چاہئے اور چاہئے کہ وہ دوسروں کو ماریں اور آپ مارے جائیں اور اپنی جانیں لفظاً نہیں بلکہ عملاً خدا کے سپرد کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ یعنی یہ سودا کر کے جو انعام اور نفع خدا نے تم کو دینے کا وعدہ کیا ہے کیا یہ سچا ہے یا جھوٹا سو خدا تعالیٰ یہاں اپنے وعدہ کی نظیریں بتاتا ہے کہ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ میں نے تین بڑی قوموں سے وعدے کئے تھے تو کیا وہ غلط نکلے؟ جب نہیں تو پھر تم کیوں ڈرتے ہو جب خدا کی عادت ہے کہ وعدوں کا سچا ہے اور جو کہتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔ تو پھر یہ وعدہ جو تم سے کیا گیا ہے کیوں پورا نہ ہوگا کیا خدا سے زیادہ کوئی اور بھی ہے جو وعدوں کا سچا اور پورا ہو۔ پس تم اپنی جانوں اور مالوں کو اس کے سپرد کرو۔ وہ وعدہ کرتا ہے کہ تم کو اس تجارت سے بہت فائدہ پہنچے گا اور تم ابدالآباد کی زندگی اور لا انتہا مال پاؤ گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہ وعدہ میں نے کیا ہے اور بالکل حق اور درست کیا ہے یعنی قسمی طور سے ہے اور مؤمنوں کا حق ہے کہ اس سے وہ وعدہ پورا کروائیں اور یہ پہلے اہل توریت سے ہو چکا ہے یعنی موسیٰؑ سے بھی ایک وعدہ ہؤا تھا کہ ہم تیری قوم کو فرعون کے ہاتھوں سے نجات دیں گے اور تم کو بڑی ترقی دیں گے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے ہیں تو اس وقت بنی اسرائیل پر بہت ظلم ہوتے تھے۔ یعنی کل قوم کو آدھا دن اینٹیں بنانی پڑتی تھیں اور وہ اس ملک میں نہایت ذلّت سے رہتے تھے مگر جب حضرت موسیٰؑ نے آکر ان لوگوں کو خبر دی کہ اب خدا کا ارادہ تم کو چھڑانے کا ہے اور وہ اب تم کو آزاد کرے گا اور پھر جا کر فرعون کو کہا کہ تو اس قوم کو چھوڑ دے تو اس کا نتیجہ ایسا خطرناک ہؤا کہ پہلے تو صرف آدھا دن انہیں کام کرنا پڑتا تھا اب فرعون نے یہ خیال کر کے کہ یہ لوگ آدھا دن جو خالی رہتے ہیں اس میں مختلف خیالات اٹھتے رہتے ہیں اور آزادی کی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ آؤ ان کو سارے دن کام پر لگائے رکھو۔ حکم دیا کہ آج سے یہ لوگ اینٹیں پکانے کے لئے لکڑیاں بھی خود ہی اکٹھی کیا کریں اور نصف وقت اینٹیں بنائیں اور نصف

وقت میں اس کے لئے ایندھن جمع کریں اب یہ ایسا وقت تھا کہ بنی اسرائیل گھبرا گئے اور لگے موسیٰؑ کو برا بھلا کہنے کہ آگے تو پھر بھی کچھ وقت خالی رہتا تھا اس کے آنے سے وہ بھی جاتا رہا اور آگے سے بھی زیادہ مصیبت پڑی مگر کیا خدا کا کلام جھوٹا نکلا؟ نہیں۔اس کے پورا ہونے کا وقت قریب تھا ہاں یہ واقعہ جو ہؤا تو صرف اس وجہ سے کہ تا خدا انہیں بتائے کہ یہ کام جو کچھ ہؤا یہ بنی اسرائیل کی کوششوں اور تدبیروں سے نہیں ہؤا بلکہ محض خدا کے فضل سے اور اس کے وعدہ کے مطابق ہؤا اور اس نے ظاہر کیا کہ جب انسان کچھ نہیں کر سکتا اور بات ناممکن ہو جاتی ہے تو اس وقت میں اسے کرکے دکھا دیتا ہوں۔پس جب بنی اسرائیل طرح طرح کے عذابوں کی تاب نہ لا سکے اور ان کی چیخ و پکار بڑھ گئی اور انہوں نے آہ و زاری شروع کی تو خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کو فرعون کے ہاتھوں سے بچایا اور اس کو مع اپنی فوجوں کے سمندر میں غرق کیا اور یہ اس لئے ہؤا کہ بنی اسرائیل نے اس کے دکھوں سے تنگ آکر بہت آہ و زاری کی تھی پس خدا نے بنی اسرائیل کے آنسوؤں کو سمندر بنا کر فرعون کو غرق کیا اور وہ فرعون جو حضرت موسیٰؑ سے ہنسی کرتا تھا اسے اپنا جلوہ سمندر کی تہہ میں دکھایا اور بتا دیا کہ خدا جیسا آسمان پر ہے ویسا زمین پر بھی ہے پس تو مکان کیوں بناتا ہے آمیں تجھے چہرہ زمین کی تہہ میں سمندر کی لہروں کے نیچے دکھا دوں۔پس اس طرح خدا کا وعدہ پورا ہؤا اور جو موسیٰؑ سے کہا گیا تھا لفظ بلفظ سچا ثابت ہؤا پھر دوسرا وعدہ خدا تعالیٰ نے ہمارے آنحضرت ﷺ سے کیا اور جب کہ آپؐ بالکل تن تنہا تھے اس وقت آپؐ کو وہ خبر دی جو انسانی عقل اور سمجھ سے بالا تھی۔یعنی آپؐ کو وعدہ دیا کہ ایک بڑی قوم آپؐ کے ساتھ ہو گی اور آپؐ کا نور کل دنیا میں پھیل جائے گا اور وہ مکہ جہاں آپ بے کسی کی حالت میں رہتے تھے اسی میں آپ فاتح ہو کر آئیں گے پس یہ ایسے وعدے تھے جن پر ایمان لانا تو الگ اس وقت کے لوگ حیران ہوتے تھے کہ کیا یہ کسی عقل مند کے منہ سے نکل سکتے ہیں۔وہ یتیم جو خود محتاج تھا اس کو وعدہ دیا جاتا ہے کہ تیری وجہ سے دنیا کے یتیموں اور بیواؤں کی پرورش ہو گی۔چنانچہ ایسا ہی ہؤا اور کل دنیا نے ان وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ لیا اور اس وقت کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے مسلمان اسی وعدہ کا نتیجہ ہیں پس یہ وعدہ بھی خدا نے بڑے زور و شور سے پورا کیا۔پھر ایک اور وعدہ تھا جو حضرت عیسیٰؑ سے کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ اس کے متبع اس کے منکروں پر غلبہ پائیں گے اور ایسا غلبہ پائیں گے کہ پھر اس کے مخالف کبھی سر نہ اٹھائیں گے اور ہمیشہ آپؑ کے متبعین کے ماتحت ہی رہیں گے۔شروع شروع میں یہودیوں نے زور لگایا اور اس خدا کے برگزیدہ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا مگر خدا نے

دکھادیا کہ جنہوں نے آپ کے سر پر کانٹے رکھے تھے آخر انہیں کانٹوں کے بستروں پر لوٹنا پڑا اور یہ وہی حضرت عیسیٰؑ والا وعدہ ہے کہ جس کے طفیل ہم اس وقت یہاں جمع ہو گئے ہیں کیونکہ خدا کے فضل سے ہماری گورنمنٹ برطانیہ نے جو ایک عیسائی سلطنت ہے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی ہے اور اگر یہ گورنمنٹ نہ ہوتی تو ہم ایسا نہ کر سکتے۔ غرض ان تین وعدوں کا ذکر خداوند تعالیٰ یہاں فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ تین وعدے ہیں جو میں نے کئے ہیں اور ایسے وقت میں کئے ہیں جبکہ ان کے پورے ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا تو پھر انسان کیوں میرے وعدوں پر شک لاتا ہے۔ دیکھو دنیا میں بار بار یہ نظارہ نظر آیا ہے کہ ایک گداگر کو جب ایک جگہ سے ایک پیسہ بھی مل جائے تو جب وہ اس جگہ سے گذرتا ہے تو صدا دیئے بغیر آگے نہیں بڑھتا کیونکہ اسے امید ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں سے کچھ نہ کچھ مل ہی رہے گا اور اس کا پچھلا تجربہ اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے تو جب خدا تعالیٰ کے وعدوں کو بار بار پورے ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور کبھی وہ خطا نہیں گئے تو پھر کیوں اس کے وعدہ پر اعتبار نہ کیا جائے اور کیوں ہم اس کے دروازہ پر گرے نہ رہیں۔ دنیا میں ایک انسان وعدہ کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اس پر اعتبار کرتے ہیں پھر خدا کے وعدہ پر کیوں شک لائیں۔ انسان کے وعدہ میں تو بہت مشکلات ہیں مثلاً جو شخص جھوٹا وعدہ کرتا ہے یا اب تو اس نے سچے دل سے وعدہ کیا ہے لیکن چند دن کے بعد نیت بدل جائے پھر اگر نیت بھی نہ بدلے تو جن حالات پر اس نے وعدہ کیا تھا وہ حالات بدل جاویں یا وہ خود فوت ہو جائے یا خود وہ چیز جس کا وعدہ تھا جاتی رہے مگر خدا پر تو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ وعدہ کر کے بدل جائے اور یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اس پر کوئی ابتلاء آئے یا جس چیز کو قائم رکھنا چاہئے وہ ضائع ہو جائے پس انسان کے وعدہ پر تو ہم کو شک کی گنجائش ہے۔ اور طبعاً شک ہونا ہی چاہئے۔ مگر خدا کے وعدہ پر تو شک لانا کفر کی نشانی ہے۔ سلطنت کے ایک ادنیٰ ملازم پر ہم یقین کرتے ہیں کہ جو وعدہ اس نے کیا ہے اسے پورا کرے گا۔ پھر خدا کے وعدہ پر ہم کیوں کر تردد کریں وہ ہمیشہ زندہ ہے جس پر کوئی زوال نہیں جس کی قدرتوں کو کوئی روک نہیں سکتا جس کے قبضہ میں کل کائنات ہے اور جس کی حکومت ذرہ ذرہ پر ہے۔ پس چاہئے کہ انسان بجائے کسی انسان سے وعدہ لینے کے خدا سے وہ وعدہ لے جس کے پورا ہونے میں کوئی شک نہیں ہم سے بھی خدا نے اس وقت ایک وعدہ کیا ہے اور اس کا پورا ہونا ہماری کوششوں پر منحصر ہے یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی نیا وعدہ ہے۔ نہیں بلکہ وہی ہے جس کی نسبت میں نے ابھی آیت پڑھی ہے کہ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ یہ وعدہ ہم سے اس بناء پر نہیں

کہ ہم مسیحؑ کی وفات کو مان لیں بلکہ خدا نے اپنے رسول یعنی مسیح موعودؑ کی معرفت ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اگر اسی جنس کو خریدیں گے جس کو پہلوں نے خریدا تو ہم سے بھی وہی نیک سلوک ہو گا- پس چاہئے کہ ہم بجائے اس کے کہ مسیحؑ کی وفات کے متعلق قرآن کی آیتیں اور حدیثیں تلاش کریں اور مسیحؑ کو فوت شدہ ثابت کرنے کی کوشش کریں ہم اپنے نفس کی وفات ثابت کریں اور خدا کی مرضی کے آگے اپنے نفس کو بالکل ہلاک کر دیں کیونکہ اگر مسیحؑ کی وفات ثابت کریں تو دنیا کو کوئی ایسا بڑا فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہاں نفس کی وفات ایک ایسی بات ہے کہ جس کے ثابت ہونے کے بعد دنیا میں اصلاح ہو سکتی ہے- ہم خدا کے رسول کو مان کر دنیا کے نزدیک تو کافر اور قابل نفرت ٹھہر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے نزدیک بھی ہم کافر ہی ٹھہریں اس لئے چاہئے کہ ہر وقت خدا سے ڈر کر کام کریں- دنیاوی تجارتیں ہم نے اس لئے چھوڑیں کہ ہم دینی تجارت کریں گے اور اس وجہ سے ہمارے مخالف ہم سے اس بات میں بڑھ گئے اب اگر دین کی تجارت میں بھی سستی کریں تو پھر خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ کے مصداق ہو جائیں گے (نعوذ باللہ) ہم نے بیعت کے وقت خدا سے گویا کہ وعدہ کر لیا ہے کہ ہم دنیا کی جنس نہ خریدیں گے بلکہ ہمیشہ دین کی جنس کو مقدم رکھیں گے پس چاہئے کہ ہمیشہ اس کا خیال رہے انسان کوئی چیز خریدتے وقت دو چار اور تجربہ کاروں کو بھی دکھا لیتا ہے کہ آیا اس میں کچھ نقص تو نہیں- اسی طرح دینی چیزیں خریدنے کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے ایسے تجربہ کار عنایت کئے ہیں کہ جو ہمیں ہر ایک چیز کے حسن و قبح سے آگاہ کر دیتے ہیں اور وہ ہمارے اعضاء ہیں مثلاً ہاتھ پاؤں دل و دماغ آنکھ کان ناک اور زبان وغیرہ جب کوئی کام ہم ایسا کرتے ہیں جو بری جنس سے ہوتا ہے تو فوراً ہمیں یہ اطلاع دیتے ہیں کہ یہ کام عہد کے خلاف ہؤا ہے- قرآن مجید میں ہے وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (ق: ۱۷) میرے خیال میں یہ آیت قرآن شریف کی منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ قرآن شریف کو میں نے بھیجا ہے جو انسان کا پیدا کرنے والا ہوں اور اس کے کل خیالوں اور وسوسوں کو جانتا ہوں اگر یہ کسی اور شخص یا مخلوق کی طرف سے ہوتا تو اس میں انسان کے دلی خیالات کا اظہار کس طرح ہوتا اور چونکہ اس میں انسان کے کل وسوسوں اور خیالوں کے متعلق ہدایتیں اور جواب ہیں اس لئے صاف ثابت ہؤا کہ اس کا بھیجنے والا میں ہی ہوں جو مخلوقات کا رب ہوں- پس یہ ایک کیسی کھلی بات ہے جو قرآن شریف اپنے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں پیش کرتا ہے انسان کے مختلف وسوسوں کو انسان نہیں جانتا پھر قرآن شریف نے کل وساوس کے

جواب کیوں کر دیئے اس لئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے پس یہ آیت قرآن شریف کی سچائی کو ثابت کرتی ہے اس لئے غور کر کے دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کوئی نیکی نہیں بتائی جس کو کر کے اعضاء خوش نہ ہوتے ہوں اور کوئی ایسی بدی نہیں بتائی کہ جس کو کر کے اعضاء برا نہ مناتے ہوں اور یہ قرآن شریف کی سچائی کا ایک کامل ثبوت ہے۔ غرضیکہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دینی سودا کرنے کے لئے چند تجربہ کار عنایت کئے ہیں جو ہر ایک کام کے وقت بتاتے ہیں کہ یہ نیک ہے یا بد۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم اس بیع کو کر چکو اور اس کے تمام لوازم کو پورا کر لو تو تم اب اس بیع کے نتیجہ سے خوش ہو جاؤ کیونکہ تم نے وہ کام کیا ہے جس کا نتیجہ بہت ہی نیک ہو گا اور وہ ایک عظیم الشان کامیابی ہو گی پس جب ایک ادنیٰ انسان یا عہدہ دار کی دی ہوئی خوشخبری پر ہم اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ جاموں میں پھولے نہیں سماتے تو خدا کی بتائی ہوئی خوش خبری پر ہم کیوں خوش نہ ہوں۔ جانتے ہو کہ خدا کا ایک دن ہزار دن کا ہوتا ہے تو جب وہ ایک چیز کو بڑی کہتا ہے تو نہ معلوم وہ کتنی بڑی ہو گی میرے تو وہم میں بھی نہیں آسکتی۔

اب اس کے بعد خدا نے چند شرطیں بتائی ہیں کہ جو اس بیع میں ضروری ہیں اور جن کے بغیر یہ بیع مکمل نہیں ہو سکتی اول تو یہ کہ انسان ہر وقت اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتا رہے کیونکہ انسان بعض دفعہ پاک ہو جاتا ہے اور کبائر گناہوں کا بیج رہ جاتا ہے مگر رفتہ رفتہ اس کے دل پر زنگ لگتا رہتا ہے اور آخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ ترکیب بتائی ہے کہ توبہ کرتے رہو جو گناہوں کے زنگ کی تلافی ہے اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ میں غیر مذاہب کے جھوٹے خداؤں کی طرح ایسا نہیں ہوں کہ کبھی گناہ بخشوں ہی نہیں بلکہ جب کوئی توبہ کرے تو میں گناہ بخش دیتا ہوں غرض کہ انسان کا دل ایک شیشہ کی طرح ہوتا ہے اگر وہ توبہ نہ کرے تو گدلا ہوتا رہتا ہے اور آخر ایک دن ناکارہ ہو جاتا ہے اس موقعہ پر مجھے ایک خواب یاد آگئی ہے وہ بھی سنا دیتا ہوں میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ میں اسی طرف منہ کر کے جس طرح اب کھڑا ہوں لیکچر دے رہا ہوں اور اسی طرح اس طرف حضرت خلیفۃ المسیح بیٹھے ہیں اور میں بیان کر رہا ہوں کہ انسان کا دل ایک شیشہ کی طرح ہے اور ایک ایسا شخص جس نے کبھی پہلے آئینہ نہ دیکھا ہو جب وہ اس کے پاس آکھڑا ہو تو سمجھتا ہے کہ کوئی اور شخص ہے۔ مگر جب وہ اپنی ہر ایک حرکت کے ساتھ اس میں بھی حرکت پاتا ہے تو آخر اس پر کھل جاتا ہے کہ یہ میرا ہی عکس ہے اور وہ اس سے اپنے عیب یا حسن پر آگاہی

حاصل کرنے میں کام لیتا ہے اسی طرح خدا نے اپنا جلوہ دکھانے کے لئے انسان کے دل کو پیدا کیا ہے پس جیسا کہ ایک شیشہ میلا ہو جاتا ہے اور کام نہیں دیتا تو اس کا مالک اسے پھینک دیتا ہے اور وہ چور چور ہو جاتا ہے ایسا ہی خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ کوئی دل میلا ہو گیا ہے اور اب اس کے جلوہ کو قبول نہیں کرتا تو وہ اسے زور سے پھینک دیتا ہے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے ہاتھ میں ایک شیشہ پکڑا ہؤا تھا جسے میں نے ان الفاظ کے ساتھ زور سے زمین پر دے مارا اور کہا کہ اس طرح پھینک دیتا ہے اس کے گرنے سے ایک ہیبت میرے دل پر طاری ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد شرک کا حال مجھ پر اس خواب سے کھلا کہ ایک بزرگ انسان جب اپنے دل کو بہت صاف کرتا ہے اور خدا کا جلوہ اس پر اچھی طرح سے پڑتا ہے تو کم علم لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی خدا ہے مگر اصل میں اسے خدا سے کیا نسبت وہ تو اس کا ایک ادنیٰ بندہ ہے۔ لیکن چونکہ اس کے دل پر خدا کا عکس پڑتا ہے اس لئے لوگ اسے خدا سمجھ لیتے ہیں اور یہی بھید ہے تمام دیوتاؤں وغیرہ کا۔ خیر یہ تو ایک بات میں بات آگئی اور اس طرح میری خواب بھی پوری ہو گئی اب پھر اصل مقصد کی طرف لوٹتا ہوں اور وہ یہ کہ توبہ کے بعد خدا تعالیٰ نے عبادت کو رکھا ہے۔ یعنی انسان نہ صرف اپنے دل کو صاف کرے اور توبہ سے زنگ کو دور کرتا رہے بلکہ پھر اپنے دل کی صفائی سے بھی کام لے یعنی اپنے دل پر خدا تعالیٰ کے جلوہ کا عکس بھی ڈالتا رہے اور اپنے وقت کا ایک حصہ عبادت میں خرچ کرے۔ عبادت میں یہ حکمت ہے کہ اس سے انسان کا تعلق خدا تعالیٰ سے روز بروز بڑھتا رہتا ہے اور اگر انسان عبادت نہ کرے تو ضرور ہے کہ چند ہی دن میں انسان کا تعلق خدا سے کٹ کر شیطان سے ہو جائے پس خدا تعالیٰ نے عبادت کرنے کی طرف اپنے بندوں کو خاص توجہ دلائی ہے دیکھو تجارت وہ بری ہوتی ہے جو ایک جگہ ٹھہر جائے اور اس کے نفع میں ترقی نہ ہو جب کسی سوداگر سے یہ معاملہ پیش آیا تو سمجھو کہ اس کا کاروبار جلد ہی تباہ ہو جائے گا پس اسی طرح اگر انسان خدا سے تعلق پیدا کر کے آخرت کا نفع نہ جمع کرے تو دینی تجارت بھی جاتی رہے گی اور وہ اس میں گھاٹا کھائے گا پس چاہئے کہ انسان عبادت میں سستی نہ کرے ورنہ سب کیا کرایا غارت ہوگا۔ ہم دنیا میں عبادت کی ایک موٹی سی مثال دیکھتے ہیں کہ بہت سے آدمی اپنی جگہ کے افسر سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ایک دو منٹ کے لئے اس سے ملاقات نصیب ہوتی ہے تو ان کو حد درجہ کی خوشی ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا اور گو کہ اس کوشش میں ان کو بہت سی تکلیفیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں اور بہت سا روپیہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے مگر

کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ پھر بعض دفعہ پہرہ داروں اور اردلیوں کی جھڑکیاں کھاتے ہیں مگر اف تک نہیں کرتے۔ تو جب کسی شخص کو خدائے عزوجل سے جو احکم الحاکمین ہے ملنے کا موقعہ ملے تو وہ کیسا خوش نصیب ہے اور اگر وہ سستی کرے تو اس سے بدتر اور کون ہے۔ دیکھو خدا کسی کو جھڑکیاں نہیں دیتا بلکہ اگر کوئی ایک قدم اس کی طرف جاتا ہے تو وہ اس کی طرف دو قدم چل کر آتا ہے اور اگر کوئی آہستہ چل کر آتا ہے تو وہ تیز آتا ہے اور اگر کوئی تیز چل کر آتا ہے تو وہ دوڑ کر آتا ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ اس کے دیدار اور ملاقات کے لئے مہینوں یا برسوں انتظار کرنا پڑے بلکہ ایک دن میں کم سے کم پانچ دفعہ اس نے ہمیں ملاقات کا موقعہ دیا ہے پھر اگر ہم سستی کریں تو یہ ہماری بدبختی ہے (نعوذ باللہ) نہ کہ کچھ اس پر الزام ہے۔ پھر عبادت کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حمد اور شکر بھی کرنا چاہئے اور اس کے احسانوں کو ہمیشہ یاد کرتے رہنا چاہئے۔ دیکھو ایک فقیر کو ایک آدمی پیسہ دیتا ہے تو وہ اس قدر ممنون ہوتا ہے کہ اس کو سچے دل سے ہزاروں دعائیں دیتا ہے اور نہایت شکر گزار ہوتا ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کہ جس نے ہم پر بے پایاں احسان کئے ہماری شکر گذاری کا کس قدر مستحق ہے اور اگر ہم شکر کریں تو اس سے اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ خود ہم کو ہی نفع ملتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۸) یعنی اگر تم لوگ میرا شکر کرو گے تو میں تم کو اور بھی دوں گا اور زیادہ سے زیادہ انعام کروں گا پس اس کے شکریہ ادا کرنے میں ہم اس پر کچھ احسان نہیں کرتے بلکہ الٹا خود فائدہ اٹھاتے ہیں اگر ہم ناشکری کریں تو اس کا نقصان بھی خود ہم کو اٹھانا پڑے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بنگال گورنمنٹ کے بے شمار احسانات کا کفران کرکے اگر بنگالی برسر فساد ہوئے تو انہوں نے بعض انسانی جانیں لے لیں اور ملک کے ایک حصہ میں بے امنی پھیلا دی لیکن خدائی گورنمنٹ سے کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص ناشکری کرتا ہے تو وہ خود سزا پائے گا اور وہ غم و غصہ سے کس قدر جوش بھی دکھائے تو بھی لاحاصل ہوگا کیونکہ کسی دنیاوی گورنمنٹ کے عہدہ داروں کو تو بم کے گولے کارگر ہو سکتے ہیں مگر الٰہی گورنمنٹ ایسی طاقتور ہے کہ اس کے افسروں پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کر سکتا کیونکہ ان کے لئے اَللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۸) کا حکم جاری ہو چکا ہوتا ہے پھر اگر ہم میں سے کوئی گورنمنٹ کی ناشکری کرے تو بوجہ انسان ہونے کے ممکن ہے کہ اس کے عہدہ دار اس واقعہ سے بے خبر رہیں لیکن آسمانی بادشاہت کے برخلاف کہنے والا تو کبھی بچ ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ کسی طرح بھی اپنے خیالات کو چھپا نہیں سکتا اور چونکہ خدا تعالیٰ مخفی سے مخفی رازوں کو جانتا ہے اس لئے ایسا

شخص ضرور مستوجب سزا ہو گا- میں نے شرک کے معاملہ میں بارہا سوچا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی بڑا رحیم ہے کہ اول تو خود ہی ہماری آسائش کے سامان بہم پہنچاتا ہے اور ہر قسم کی نعمتیں ہمیں عنایت کرتا ہے پھر ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس نے ہمیں اعضاء اور حواس بھی پہلے سے ہی دے رکھے ہیں لیکن اگر کبھی ہمارے منہ سے یہ نکل جاوے کہ خدا کا ہم پر بڑا فضل ہے اور ہم شکر کریں تو وہ اور بھی خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندے نے بڑا کام کیا آؤ میں اس پر اور بھی احسان کروں مگر غور کر کے دیکھو تو ہم نے کچھ بھی نہیں کیا سب کچھ اسی کا دیا ہؤا تھا دل جس نے شکر کرنے کا خیال کیا اور زبان جس نے شکر کیا یہ بھی تو اسی کی دی ہوئی ہے پھر ہم نے کیا کیا جس کا بدلہ وہ ہمیں دیتا ہے- غرضیکہ اس بات کو سوچ کر مجھے بڑی حیرت آتی ہے کہ خدا کیسا رحیم کریم ہے-

پھر آگے چل کر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ علاوہ شکر کے تم لوگ میری خاطر اپنی جانوں سے کچھ چھڑاؤ بھی یعنی بعض ایسی چیزیں جو تمہارے لئے جائز بھی ہوں وہ چھوڑ دو تا مجھ سے تعلق اور بھی بڑھے مثلاً اعتکاف کرو کہ اپنی آزادی کو میرے لئے چھوڑ دیا- اسی طرح اور بعض بدیوں سے رکو اور پرہیز کرو اس کے بعد فرماتا ہے کہ تم لوگ میرے لئے رکوع و سجود بھی کرو یعنی ہر وقت فرمانبرداری کی طرف توجہ لگائے رکھو- اس رکوع و سجود پر مجھے خیال آتا ہے کہ انسان کو بھی خدا نے کیسا ضدّین کا تابع پیدا کیا ہے یہی انسان ہے کہ ایک وقت اگر برائی کی طرف جھکتا ہے تو حد درجہ کی شرارتیں کرنے لگتا ہے اور نیکی کی طرف توجہ کرتا ہے تو تب بھی کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے- میں نے کتے کو دیکھ کر خیال کیا کہ اس میں دو صفتیں ہیں ایک تو بری اور ایک نیک- بری صفت تو حرص ہے- نیک صفت وفاداری- مگر جب انسان شرارت پر آتا ہے تو کتے کی فرمانبرداری کرتا ہے اور حریص ہو جاتا ہے- مگر افسوس ہے اس پر کہ وہ ان کی نیک صفت اختیار نہیں کرتا یعنی اپنے مالک اور آقا کی ذرا بھی وفاداری نہیں کرتا اس صورت میں وہ کتے سے بھی بدر جہا بدتر ہے- مگر ساتھ ہی ایسے لوگ بھی ہیں جو کتے سے سبق نہیں لیتے اور فرشتوں سے نصیحت حاصل کرتے ہیں یعنی وہ خدا کے ہر حکم کے آگے فرشتوں کی طرح سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں بلکہ فرشتہ سے بھی بڑھ جاتے ہیں اور نہ صرف سجدہ کرتے ہیں بلکہ رکوع بھی کرتے ہیں- پس انسان اگر برائی کی طرف لگتا ہے تو کتے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے اور اگر نیکی اختیار کرتا ہے تو فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے غرضیکہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ پر اپنے بندوں کو راستہ بتایا ہے کہ تم لوگ فرشتوں کی پیروی کرو اور پھر ان سے بھی بڑھ جاؤ-

پھر فرمایا ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف کرو یعنی بنی نوع انسان کو ہمیشہ نیک باتوں کی طرف بلاتے رہو- دیکھو اگر ایک شخص کے پاس کچھ روپیہ ہو اور وہ اپنے ایک بھائی کو جو سخت مصیبت میں مبتلا ہو وہ نہ دے تو دنیا اسے کس قدر ناپسند کرتی ہے اور اس سے کس قدر نفرت کی جاتی ہے کیونکہ اس کے پاس ایک چیز تھی اور باوجود اس کے اس نے اپنے بھائی کی جو اس چیز کا سخت محتاج تھا مدد نہ کی- اس کو تمام لوگ ذلیل سمجھنے لگتے ہیں پس اگر کسی شخص کے پاس روحانی خزانہ ہو یعنی سچا مذہب اس نے پالیا ہو تو کیوں وہ دوسروں کو ہدایت نہ کرے اگر وہ ہدایت نہ کرے گا اور لوگوں کو امر بالمعروف کرنے سے بخل یا سستی کرے گا تو وہ اس دنیاوی بخیل سے کہیں بدتر ہو گا کیونکہ ایک مالدار شخص نے اگر کسی بھائی کی مدد نہ کی تو اس کا اثر صرف چند گھنٹوں یا دنوں یا مہینوں یا سالوں تک ہو گا کیونکہ آخر موت کے بعد اس غریب کو ہر ایک دکھ سے نجات مل جائے گی لیکن اگر کوئی ہدایت پاکر ہدایت نہیں دیتا تو وہ اپنے بھائی کو ابد الآباد تک کے لئے ہلاک کرنا چاہتا ہے پس یہ اس دنیاوی بخیل سے کہیں بڑھ کر ہے پس انسان کو چاہئے کہ ہر وقت امر بالمعروف کرتا رہے اور جو ہدایت کا خزانہ اس کے پاس ہے اس سے اپنے بھائیوں کو محروم نہ رکھے ورنہ اس کا نام خدا کے حضور بخیلوں میں لکھا جائے گا اور جب دنیاوی مال کے بخیل کے لئے خدا فرماتا ہے کہ وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتا تو جانتے ہو روحانی مال کا بخیل کس قدر عذاب کا مستوجب ہو گا- یاد رکھو کہ دنیاوی بخیل بچ سکتا ہے مگر روحانی بخیل کے دل پر جب مہر لگائی جاتی ہے تو وہ نہیں ٹوٹا کرتی-

پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ حدود الہیہ کی حفاظت کرو یعنی گناہوں سے بچو اور نیکیوں کو بھی اس حد تک کرو جہاں تک حکم ہے ایسا نہ ہو کہ بے موقعہ عبادت کر بیٹھو کیونکہ وہ بھی ہلاکت کا ذریعہ ہے دیکھو نماز کیسی ثواب کی چیز ہے لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر سورج چڑھتے ہوئے نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز اس کے لئے ہلاکت ہو جائے گی اور روزہ کس قدر نیکی ہے لیکن اگر کوئی شخص ارادۃً عید کے دن روزہ رکھتا ہے تو وہی روزہ اس کے لئے تباہی کا باعث ہو گا پس معلوم ہوا کہ ہر ایک کام اپنے وقت پر اچھا ہوتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ نیکی ہو یا بدی ہو حدود اللہ کا لحاظ ضرور رکھو کیونکہ انسان کا اصل مقصد تو خدا تعالیٰ کی خوشی ہے- نماز روزہ اگر یہی عبادتیں کسی اور طرح پر ہوتیں تو خدا کو خوش کرنے کے لئے انسان اسی طرح کرتا پس چونکہ خدا تعالیٰ ہی مقصود بالذات ہے اس لئے اس کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھنا نہیں چاہئے-

آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کسی انسان نے اس پر عمل کیا اور دینی تجارت کے عہد نامہ

پر ثابت قدم رہا تو ایسے شخص کو جو ایک بااخلاص مؤمن کا درجہ پا چکا ہے بشارت دو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک معمولی افسر اگر کسی کو اس کی کامیابی کی بشارت دے تو وہ پھولا نہیں سماتا۔ تو جس کو خدا بشارت دے وہ کیسا خوش قسمت ہے اور کس طرح غمگین ہو سکتا ہے۔ اگر انسان خدا کو غفّار و ستّار اور وعدوں کا پورا کرنے والا مان کر پھر بھی غم کھائے تو یہ اس کی بڑی سخت نادانی ہے کیا اسے یقین نہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ صبر کرے گا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھے گا تو اسے نعم البدل عنایت ہو گا پس مؤمن انسان کو کوئی غم نہیں پہنچتا وہ دکھوں میں خوش اور غموں میں فرحان و شادان رہتا ہے۔ یہ تمام چیزیں جو ہمارے پاس ہیں یہ سب خدا کی امانتیں ہیں بلکہ ہم خود بھی اسی کے ہیں پس اگر وہ کسی وقت مصلحت سے ایک امانت ہم سے واپس لیتا ہے تو ہم کیوں اس پر رنج کریں۔ امانت کی واپسی پر جو شخص افسوس کرتا واویلا اور شور مچاتا اور چلاتا ہے اس کو کل دنیا پاگل کہتی ہے پس اگر خدا نے ہم سے کوئی امانت لے لی اور ہم شور و غل کریں تو ہمارے پاگل ہونے میں کیا شک ہے اور ایسا کرنا مؤمن کی شان سے بالکل بعید ہے۔ دیکھو کہ خدا اپنے بندوں پر کیسا مہربان ہے وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا جو شخص اس کے کسی فعل پر نالاں ہوتا ہے تو وہ نعوذ باللہ اسے ظالم سمجھتا ہے مگر خدا ظالم نہیں۔ ہم اپنے آپ کو ہی دیکھتے ہیں کہ اس کا ایک نبیؑ ہم میں آیا اور اپنا کام کر کے ہم سے جدا ہو گیا یہ ایک ایسا صدمہ ہے جو دنیا میں سب سے بڑھ کر ہے مگر کیا خدا نے اس پر ظلم کیا کبھی نہیں بلکہ جب اس نے مصلحت وقت یہی دیکھی کہ اسے واپس بلائے تو ساتھ ہی اس نے ہماری تسلی کے لئے قدرت ثانی کا وعدہ کر دیا کہ اس کے جانے کے بعد میں تمہیں اپنی قدرت کا دوسرا ظہور دکھلاؤں گا پس اس طرح اس نے حضرت مسیح موعودؑ کی پیدائش اور وفات دونوں کو مبارک کر کے دکھلا دیا۔ اب میں لیکچر ختم کرتا ہوں اور قرآن شریف کی آیات سے وہ طریق بتا چکا ہوں کہ ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

والسلام

مرزا محمود احمد